Majallah Tahqiq
Research Journal of the
Faculty of Oriental Learning
Vol: 39, Sr.No.110, 2018 pp 07 - 14

مجلہ تحقیق
مجلّہ کلیۂ علوم شرقیہ
جلد ۳۹، جنوری۔ مارچ ۲۰۱۸ء، شمارہ ۱۱۰

اُردو غزل کا دفاع: علی عباس حسینی

☆شکیل حسین سید

Abstract:

Ghazal forms the basis of Urdu poetry the best ghazals are to be found in Persian poetry only. However, critics like Moulana Hali, Saleem Pani Pati, Azmat Ullah Khan, Josh Maliah Abadi, Kaleem ud Din Ahmad have called it a violent kind of poetry. Ali Abbas Hussaini has taken into consideration all there objections and has rejected all of them he has also clam that he is not against Urdu poem. But Urdu poem can never replace Urdu Ghazal. It is because the beauty and grandeus of Urdu is Ghazali and not in poem.

غزل اُردو شاعری کی مقبول صنف سخن ہے اس کا فنی شاہکار، اس کی مثال اُردو، فارسی شاعری کے علاوہ دنیا کی کسی اور زبان میں نہیں ملتی، اس لیے ایران و ہندوستان جیسی قدیم تہذیبوں کا اظہار غزل کا طریقہ پسند ہے غزل کی اس مقبولیت کے باوجود غزل پر بے ربطی، پراگندگی عدم تسلسل، نیم وحشی صنف سخن جیسے اعتراض وارد کیے گئے۔ ریزہ خیالی معترضین غزل کا سب سے زیادہ نشانہ بنی اس سلسلے میں پروفیسر گب نے عتراض کیا۔

> "Though there may be not definable Connection between the individual couplets there ought never to be out of the Homony with one another and a Single tone of mind Should run through the whole poem. Such in deed is what

☆ گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج خانیوال

Ought to be but in practie we find that in a vast number of Ghazals..... there is no more unty of throught or eeling between Several Couplets than there is between the Paragraphs of a news paper". [1]

اُردو شاعری پر فارسی شاعری کی تقلید کے سلسلے میں جتنے اعتراضات کیے گئے ہیں ان کا روئے سخن زیادہ غزل ہی کی طرف ہے۔ مولانا حالی کے مصرعے ''وہ شعر و قصائد کے ناپاک دفتر'' میں شعر سے مراد غزل ہی ہے۔ جوش نے ''چند نرم گرم غزلوں کے سوا کچھ بھی نہیں'' کہہ کر معاملے کو بالکل صاف کر دیا ہے۔

مولانا الطاف حسین حالی نے مقدمہ شعر و شاعری میں غزل کی بنیاد عشقیہ مضامین اور مضمون بھی مسلسل بیان نہیں کیا جاتا۔

''غزل میں ...... کوئی خاص مضمون مسلسل بیان نہیں کیا جاتا، الا ماشاللہ، بلکہ جدا جدا خیالات الگ الگ بیتوں میں بیان کیے جاتے ہیں۔ غزل کے لیے یہ ایک ضروری سی بات قرار پا گئی ہے کہ اس کی بنا عشقیہ مضامین پر رکھی جائے ...... لیکن اصل و نقل میں آسمان و زمین کا فرق ہے۔ جو کیفیت عشق میں ہے تعشق میں ہرگز نہیں ہوسکتی۔ جو غزل میں محض تقلیداً عاشقانہ لکھی جاتی ہیں ان میں اتنا ہی تاثر ہوسکتا ہے جتنا کہ ایک بھانڈ کی نقل میں جو مجنوں یا فرہاد بن کر مجلس میں آئے ......'' [۲]

عربی فارسی و اُردو کی شاعری کی قافیہ پیمائی پر بحث کرتے ہوئے ردیف قافیہ کو خیال پر مقدم قرار دیا شعراء کو اعلیٰ خیالات سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اور ان کے گروہ رات دن روزمرہ کی ترکیبوں اور زبان کے محاورے باندھنے کے درپے رہتے ہیں اور ایک شعر کا مفہوم دوسرے شعر سے جداگانہ مفہوم کا حامل ہوتا ہے۔ قافیہ اور ردیف کا مصرف غزل میں نغمگی ہے کہ گائیکی میں آسانی اور موسیقیت پیدا ہو۔

''چونکہ غزلیں اکثر گانے کے کام میں آتی ہیں، اس بناء پر ایرانیوں نے خیال کیا کہ قافیہ کے ساتھ ردیف کا التزام نظم میں زیادہ موسیقیت پیدا کر دے گا۔ اور ردیف و قافیہ ہر شعر میں آ کر سننے والوں کے کانوں میں زیادہ متوازن معلوم ہوں گے...... یہی باعث ہے کہ عشقیہ خیالات کا مسلسل طور سے بیان کرنا غزل کی شکل میں مشکل ہو گیا۔ قافیہ اور ردیف اور خیال پر مقدم ہو گئے۔ ایک شعر کا مفہوم دوسرے شعر سے جداگانہ ہونے لگا، یعنی ایک

شعر سے دوسرے شعر کا کوئی تعلق نہیں رہا اگر ایک شعر میں معشوق کی جدائی کی شکایت ہے تو دوسرے شعر میں وصال ہونے پر خوشی کا اظہار ہے۔ اگر ایک شعر میں دنیا کی مذمت بیان کی گئی ہے تو دوسرے شعر میں اس کی تعریف ہے۔ نظم کی یہ ایسی عجیب شکل ہے کہ دنیا کی کسی زبان میں اس کی مثال نہیں ملے گی۔ اس سے تمام شعراء مجبور ہو گئے کہ مسلسل غزلیں نہ لکھیں......'' [۳]

عظمت اللہ خان غزل کو بے ربطی، ریزہ خیالی اور پریشاں گوئی کا ایک ''ڈراؤنا خواب'' بتاتے ہیں ۔غزل بندی، قافیہ پیمائی لفظوں کا کھیل ہے۔ غزل کے موضوعات عشق تصوف اخلاق فلسفہ تک محدود ہیں۔ جدتِ خیال نہ ہونے کے باعث شاعر کا مواد مقرر کر دیا گیا۔ قافیہ نے تخیل اور خیال کو مطیع و منقاد کر لیا جسکی وجہ سے خیال کی آزادی اور نشو و نما رک گئی ہے۔ اسی لیے غزل کی گردن بے تکلف اور بے تکان ماردی جائے۔

''اس زمانے کے شعرا نے اپنے آپ ایسی سخن کو چنا اور اس میں اپنی ساری قوت صرف کی جو دیکھنے میں ردیف اور قافیے کی یکسانی رکھتی تھی لیکن معنوی تسلسل سے عاری تھی۔ یہ صنف سخن غزل ہے اور اُردو شعراء کے دیوانوں کی کل کائنات یہی ہے۔ غزل ریزہ خیالی اور پریشان گوئی کا ایک ایسا ہی ڈراؤنا خواب ہے جیسے ہمارے شعراء کے لیے ان کی سماجی زندگی بن گئی تھی ۔۔۔۔ اُردو شاعری جس حد تک بے جان ہوئی اس کا ثبوت ہمارے شعراء کی غزلوں سے بھرے ہوئے محض لفظی طلسمات والے دیوان ہیں۔ اب وقت آ گیا ہے کہ خیال کے گلے کو قافیے کے پھندے سے نکالا جائے اور اس کی بہترین صورت یہ ہے کہ غزل کی گردن بے تکلف اور بے تکان ماردی جائے......'' [۴]

نظم طباطبائی نے غزل کو بے سروپا مضامین اور بے اثر قرار دیا۔ شعرا مضمون سے پہلے قافیہ اور ردیف مقرر لیتے ہیں اسی قافیہ اور ردیف کے مطابق مضمون اختیار کرتے ہیں جس سے غزل میں تسلسل باقی نہیں رہتا اور شعر کی وہ خوبیاں جو مسلسل بیان کے ساتھ مخصوص ہوتی ہیں غزل میں مفقود ہیں اور غزل گو کسی مضمون کے کہنے کا مقصد ہی نہیں رکھتا۔

''غزل اگر ایسی ہو کہ مطلع سے مقطع تک ایک ہی مضمون ہو تو یہی غنیمت ہے۔ ستم تو یہ ہے کہ غزل گو کسی مضمون کو کہنے کا مقصد ہی نہیں رکھتا۔ جس قافیے میں جو مضمون اچھی طرح بندھتے دیکھا اس کو باندھ دیا۔ ایک شعر میں بت پرستی ہے، دوسرے میں توحید و عرفان۔

ابھی ناقوس پھونک رہے تھے، اس کے بعد نعرہ تکبیر بلند کیا۔ یا تو مے خانے میں مست و سرشار تھے یا وعظ و پند کرنے لگے۔ ابھی شب وصل کے مزے لوٹ رہے تھے، ابھی شبِ ہجر میں مرنے لگے۔ ایک شعر میں معشوق کی پردہ نشینی و شرم وحیا کا دعویٰ کیا، دوسرے میں اس کے ہرجائی پن کا شکوہ کیا۔۔۔ تمام دنیا کی شاعری میں مضمون پہلے مقرر ہوتا ہے، پھر اس مضمون کے مناسب قافیے اختیار کرتے ہیں"۔ [۵]

جوش ملیح آبادی اُردو غزل کو الفاظ کی بازی گری اور شاعری کو نقالی قرار دیتے ہیں غزل کے اشعار میں لفظی یا معنوی مناسبت نہیں ہوتی۔ غزل میں شاعر نالہ وشیون، اظہار وصل معشوق کی شقاوت قلب، رقیبِ روسیا اور تصوف جیسی متضاد کیفیات بہ یک وقت ایک شاعر پر کیسے طاری ہوسکتی ہیں؟

"غزلوں کی نوعیت کے باب میں، خواہ وہ طرحی ہوں یا طبع زاد، یہ حقیقت ہمیشہ پیشِ نظر رکھئے گا کہ ان کا ہر شعر علیحدہ علیحدہ ہوتا ہے۔ یعنی ایک کو دوسرے شعر سے قطعی کسی قسم کی معنوی یا لفظی مناسبت نہیں ہوا کرتی۔ مطلع میں اگر ہجر پر نالہ وشیون ہے تو عین مطلع کے بعد وصل پر اظہار شادمانی و کامرانی ہے۔ اس کے بعد کوئی تصوف کا مسئلہ آجاتا ہے۔ پھر معشوق کی شقاوتِ قلب کا رونا رویا جاتا ہے۔ اس کے بعد خود ہی زاہدوں سے ہاتھا پائی ہونے لگتی ہے کہ یکا یک رقیبِ روسیا ظاہر ہوتا ہے اور شاعر صاحب کو دھکے دے کر بزمِ جاناں سے نکال دیتا ہے، اور فوراً ہی اس کے بعد شاعر صاحب اپنے آبا وٴاجداد کی سو پشت کی مانی ہوئی سپہ گری کی قصیدہ خوانی شروع فرما دیتے ہیں......"[۶]

کلیم الدین احمد مغربی تہذیب سے کافی متاثر تھے انہوں نے اُردو شاعری پر تنقید مغربی تنقید کی روشنی میں کی۔ انہوں نے غزل کو عجیب وغریب صنف قرار دیا اور غزل میں بے ربطی اور پراگندگی جس کی وجہ سے مغربی ادب میں غزل مقبول نہ ہوسکی۔ جس کے سبب غزل کی انہوں نے سخت مخالفت کی اور غزل کو وحشی صنف سخن قرار دیا۔

"......غزل مغربی ادب میں پھل پھول نہ سکی۔ اس کی خاص وجہ وہی بے ربطی اور پراگندگی ہے، جسے غزل کا طرۂ امتیاز سمجھا جاتا ہے۔ غزل میں ربط، اتفاق اور تکمیل کی کمی ہے۔ یہی ربط اتفاق اور تکمیل تہذیب کا سنگ بنیاد ہیں۔ اور انھیں چیزوں کی کمی کی وجہ سے میں نے کہا تھا کہ غزل نیم وحشی صنف شاعری ہے......"[۷]

اُردو ادب میں علی عباس حسینی کی پہچان بطور افسانہ نگار اور فکشن کے نقاد کی ہے۔ان کی پہلی تنقیدی ''ناول کی تاریخ وتنقید'' ان کی ناقدانہ بصیرت کی غماز ہے۔ان کا تنقیدی شاہکار ''اُردو شاعری کا دفاع'' جس میں انہوں نے غزل پر اٹھائے گئے اعتراضات کو بے بنیاد قرار دیا ہے۔غزل کے متعلق ناقدین ومعترضین کے نظریات کا علی عباس حسینی نے غیر جانبدارانہ تجزیہ پیش کرتے ہوئے ان تمام ناقدین کے اعتراضات اُردو شعرو ادب کی ان تمام اصلاحی تحریکات جو ایک صدی سے مختلف نظریات کی حامل تھی انکا ناقدانہ جائزہ لیا۔محمد طفیل کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

> ''چنانچہ اب دو کتابوں کو مکمل کر رہا ہوں۔ایک وہ جو عظیم الدین احمد کے دیوان گل نغمہ کے متعلق ہو گی اور دوسری وہ ہو گی جس میں ان تمام اعتراضات کے مسکت جواب مع مثالوں کے یوں ہوں گے جو کلیم صاحب،ان کے ہم خیالوں اور ان کے پیش روؤں نے اب تک اُردو شاعری پر کیے ہیں۔گل نغمہ سے متعلق حصہ تو مکمل ہو چکا ہے۔لیکن اپنی شاعری کی خوبیوں والو حصہ بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔سارے اصناف سخن،غزل،قصیدہ،مثنوی،مرثیہ، مسدس،مخمس،رباعی،مثلث،قطعہ،گیت،نظم،ترکیب،ترجیع بند،مستزاد وغیرہ وغیرہ جن چیزوں کو کلیم نے صرف ''مشق'' کے نام سے یاد فرمایا ہے۔ان میں ہر صنف سے بہتر سے بہتر مثالیں پیش کرنا چاہتا ہوں تاکہ ملامت کرنے والوں ہی کا دندان شکن جواب نہ ہو جائے بلکہ اُردو کے حال و مستقبل کے طالب علم کے لئے وہ کتاب ایک خزانے کا کام دے سکے''۔[۸]

یہ امر بھی مسلمہ ہے کہ زبان وکلام پہلے پھر اُن کے قواعد بنتے ہیں۔ایرانیوں نے عربی قصیدے کی تشبیب کو علیحدہ کر کے مطلع اور مقطع کا اضافہ کیا اور اسکا نام غزل رکھا یہ صنف شاعری فارسی کی ایجاد ہے اور سوائے اُردو فارسی کی زبان میں کسی اور زبان میں نہیں پائی جاتی۔یعنی غزل وہ صنف سخن ہے جس میں قافیے یا قافیے اور ردیف کی پابندی کے ساتھ ایک سے زائد مطلع ور آخر میں شاعر کے تخلص کے ساتھ ایک مقطع اس لیے غزل کے اشعار میں ربط وتسلسل ضروری نہیں۔

> غزل مسلسل ہوسکتی ہے،پوری غزل ایک ہی جذبے کے ماتحت لکھی جاسکتی ہے لیکن وہ شاعر کو اس امر کی آزادی دیتی ہے کہ وہ ایک ہی غزل میں مختلف طرح کے اور بعض اوقات ایک دوسرے سے متضاد خیالات و جذبات کا اظہار کرے۔اس کا ہر شعر ایک مکمل جذبے،

خیال، مشاہدے یا تجربے کا حامل ہوتا ہے، اور شعر کی کامیابی یا نا کامیابی اس امر پر منحصر ہے کہ اس میں جو جذبہ، خیال، مشاہدہ یا تجربہ بیان کیا گیا ہے اس میں کتنا خلوص ہے، کتنی صداقت ہے، کتنی شدت ہے، کتنا عمق ہے، کتنا تفکر ہے، کتنی وسعت و گیرائی ہے اور اس کا اسلوب کتنا حسین و جمیل ہے۔ اس لیے غزل پر بے ربطی، عدم تسلسل اور پراگندگی خیال کے اعتراضات بے بنیاد ہیں۔ غزل اس کی مدعی نہیں کہ اس کے اشعار میں ربط و تسلسل ضرور ہوگا یا اس میں پراگندگی خیال نہ ہوگی''۔[۹]

کلیم الدین احمد نے غزل کو نیم وحشیانہ صنف کہا، وحشی انسان حسیات کا پابند ہوتا ہے اور اسے عقل و فہم سے سروکار نہیں ہوتا۔ مہذب انسان جذبے اور احساس کے ساتھ عقل و شعور فہم و ادراک کو اہمیت دیتا ہے۔ فراق نے اس اعتراض کا مسکت جواب دیا۔

''آپ غزل کو نیم وحشیانہ صنف بتاتے ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو اہل عرب بھی فارسی غزل کی طرح غزلیں کہتے۔ بلکہ اہلِ عرب میں بھی سب سے اچھی غزل عرب کے بدو اور لٹیرے اوران پڑھ لوگ کہتے، اور ہندوستان اور دوسرے ملکوں کے نیم مہذب گنوار بھی غزل کہہ لیتے۔ نیم مہذب و نیم وحشی قومیں تو بہت مربوط و مسلسل نظمیں کہتی ہیں۔ ان کا تخیل و تصور تو خارجی تسلسل یا واقعاتی تسلسل کا سہارا لیے بغیر ایک قدم بھی نہیں چل سکتا۔ غزل کی کامیاب شاعری، غزل کی جامعیت تو کلچر و تہذیب کی انتہائی پختگی و لطافت کی منزلوں میں ممکن ہے۔ مٹ گئی غزلیں تو اجزائے تغزل ہو گئیں!''[۱۰]

علی عباس حسینی غزل کو معراج تہذیب قرار دیتے ہیں، وحشی جز کے متعلق سوچتا ہے اور غزل کا شاعر جز و کی جگہ کل کا تصور کرتا ہے اور لفظوں کا کم استعمال بھی تہذیب کی علامت ہے۔ اہل سائنس بھی اسی علم وا گاہی، اسی تہذیب و ثقافت کے اعلیٰ ترین اصول پر کاربند ہیں۔ انہوں نے علمی مسائل، بڑی تحقیقاتیں اہم نظریات و تجربات چھوٹے فارمولوں میں محفوظ کر لیے ہیں یہی عمل آرٹ میں بھی جاری ہے۔

''یہ فرما دینا کے شعر مفرد یا غزل کا شعر محض اس لیے نیم وحشی ہے کہ وہ کسی فوری، اضطراری یا جزئی جذبے کو ظاہر کرتا ہے۔ خود اپنی عدم شعر فہمی کا ڈھنڈورا پیٹنا ہے۔ محض اختصار علامت وحشت نہیں۔ ابہام و ایجاز تہذیب کی علامتیں ہیں۔ صحیفۂ الٰہی کی مثال لیجیے۔ مقطعات قرآن میں جا بجا آتے ہیں۔ ان کے معنی و مطالب تفسیروں میں ملاحظہ فرمائیے۔ ایک ایک

حرف میں اتنے معانی پنہاں ہیں کہ ان کے بیان کے لیے ایک ایک کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ کیا یہ سب معاذ اللہ، نیم وحشیانہ علامتیں ہیں؟ کلیم الدین صاحب خود اپنے نام کی جگہ ''ک'' لکھ دیتے ہیں۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں جناب پروفیسر کلیم الدین احمد صاحب، سابق صدر شعبہ انگریزی و سابق ڈین فیکلٹی آف آرٹس پٹنہ یونیورسٹی و حال ڈاکٹر تعلیمات صوبہ بہار۔ اس لیے محض جزو بیان کر کے کل کی طرف اشارہ کر دینا فن کی معراج ہے۔ آرٹ کی تکمیل۔ وہ تہذیب کا طرہ ہے، نہ کہ نیم وحشی ہونے کی علامت''۔[۱۱]

اُردو شاعری کا مستقبل غزل کی بجائے نظم سے وابستہ ہے یا نہیں مگر غزل صدیوں سے ہمارے رگ و پے میں رچی ہے اس میں حسن کی پرستش اور ذوق جمال کی تسکین کے ساتھ جدید دور کے بدلتے تقاضوں کو ایک حد تک پورا کرنے کی صلاحیت موجود ہے اس کے ذریعے ہمارے شعراء حیات و کائنات حسن و عشق فکر و نظر کے متعلق لطیف اشارے کرتے رہیں گے۔ غزل کے اساس عرب و ایران کے عروضات پر ہے اور تقلید فارسی کی بدولت صرف ایرانی تہذیب و ثقاف سے نہیں بلکہ اس نے بہت کچھ عرب اور وسط ایشیا کے دوسرے ممالک سے بھی حاصل کیا یوں ہم اُن کی تہذیب و ثقافت کے ورثہ دار بن گئے۔

☆☆☆☆

حوالہ جات

1- Gibb, The Poetry of teh ottomans, London Luzac 1900, Vol. I

۲۔ حالی، الطاف حسین، مقدمہ شعروشاعری، خزینہ علم وادب، لاہور ۲۰۰۱ء، ص ۱۰۱

۳۔ سلیم پانی پتی، افاداتِ سلیم، شیخ مبارک سنز، لاہور، سن ندارد، ص ۳۷

۴۔ عظمت اللہ خان، سریلے بول، اُردو محل، حیدرآباد دکن، سن ندارد، ص ۳۷-۳۶

۵۔ نظم طباطبائی، مقدمہ صوت الغزل، مقدمہ اُردو، لاہور، سن ندارد، ص ۲۵-۲۴

۶۔ جوش ملیح آبادی، مقالات جوش، اُردو محل پبلشرز، کراچی، ۱۹۸۲ء، ص ۵۷

۷۔ کلیم الدین احمد، اُردو شاعری پر ایک نظر، اعوان پبلی کیشنز، کراچی، سن ندارد، ص ۳۵-۳۶

۸۔ رابعہ ظفر، علی عباس حسینی کے خطوط بنام محمد طفیل، تحقیق وتدوین مع حواشی مشمولہ بنیاد جلد دوم شمارہ ۱، ۲۰۰۱ء، ص ۲۲۰

۹۔ علی عباس حسینی، اُردو شاعری کا دفاع، انجمن ترقیِ اُردو، کراچی، ۲۰۱۷ء، ص ۱۰۳

۱۰۔ فراق، اُردو غزل گوئی، ادارہ فروغ اُردو، لاہور، ۱۹۵۵ء، ص ۱۱۷-۱۱۶

۱۱۔ علی عباس حسینی، اُردو شاعری کا دفاع، انجمن ترقیِ اُردو، کراچی، ۲۰۱۷ء، ص ۱۳۴